موجودہ عالمی طاقتوں کے درمیان عالم اسلام کا مقام و مرتبہ

مولف: علی بغیری
مترجم: منہال حسین خیر آبادی

اگر ہم اس وقت عالمی نظام میں بڑی طاقتوں کی صف آرائی کی نوعیت کو ان کی توانائیوں اور صلاحیتوں کے پیش نظر بیان کرنا چاہیں تو یہ کہنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ طاقت و قوت کی صف آرائی کی نوعیت کو دنیا والوں کے سامنے اس طرح پیش کرنے کی کوشش کی جارہی ہے کہ وہ گویا ایک حتمی، واقعی اور غیر قابل تغییر ہے جسے پوری دنیا والے مان چکے ہیں اور اس کے سامنے سر تسلیم خم کر چکے ہیں۔اس کے علاوہ طاقت کے موجودہ نظام کو روز بہ روز ترقی کی منزلوں کو طے کرنے کا ذریعہ قرار دیتے ہوئے یہ باور کرانے کی کوشش جاری ہے کہ موجودہ راستہ ہی انسانوں کی کامیابی اور بہترین زندگی گزارنے کا باعث ہوگا۔یہ وہ نکات ہیں جنہیں چینلوں اور دیگر ذرائع ابلاغ کے سہارے انسانوں کے ذہن میں بٹھانے اور انہیں یقین دلانے کی کوشش کی جارہی ہے۔عالمی طاقت کا یہ نظام اس تگ و دو میں لگا ہوا ہے کہ اس کی طاقت مسلّم اور ایک عالمی اجماع کا ثمرہ بن کر ظاہر ہو تاکہ وہ دنیا والوں کے سامنے یہ اعلان کرسکے کہ موجودہ نظام قدرت ہی دنیا کی تمام اقوام و ملل اور تہذیب و ثقافت کے نزدیک مقبول ہے اور اسے ہر قوم و تہذیب کی مکمل تائید بھی حاصل ہے۔

واضح رہے کہ اس مفروضہ کے خلاف عالمی سطح پر اٹھنے والی ہر آواز و نظریہ کو عالمی سطح کے تقاضوں اور مطالبوں کے خلاف گردانا جاتا ہے اور جب موجودہ نظام قدرت کے مخالفین موجودہ قدرت کی نوعیت کی مشکلات اور ناعادلانہ تقسیم کی ماہیت پر اعتراض کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو اس استدلال سے روبرو ہوتے ہیں کہ موجودہ نظام قدرت انسانوں کی زندگی میں عقلانیت کے غلبہ کی وجہ سے وجود میں آیا ہے اور پوری تاریخ میں یہ نظام عقل و درایت سے ہم آہنگ ترین نظام ہے پس جہاں اس نظام کی نوعیت کو قبول

کرنا ہوگا وہیں اس کا احترام بھی واجب ہے اس لئے کہ ابھی تک اس سے بہتر نظام دنیا والوں کے سامنے پیش نہیں ہوا ہے۔ موجودہ ڈھانچے کی طرفداری کرنے والے اس راہ وروش کی مقبولیت کے لئے جن ہتھکنڈوں کا استعمال کررہے ان کا خلاصہ درج ذیل ہے :

۱۔ لاقانونیت پر مبنی سماجی نظام ایک بے نظم سماج کے برابر ہے۔

۲۔ فاسد نظام سے بہتر اس کا نہ ہونا ہے۔

۳۔ طاقت کا موجودہ نظام انسان کی عقلانی ترقی کا نتیجہ ہے۔

۴۔ طاقت کا موجودہ نظام ہی بے مثال ہے۔

۵۔ طاقت کا موجودہ نظام انسانوں کی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے گذشتہ تمام نظاموں سے بہتر ہے۔

پس ایسے نظام کو قبول کرنا ہوگا اور اس کا پورا احترام بجالانا ہوگا لیکن یہ سوال اپنی جگہ پر موجود ہے کہ کیا طاقت کا موجودہ ڈھانچہ اپنے مدعا کے مطابق اور جیسا کہ وہ پیش کرنا چاہتا ہے بالکل ویسا ہی ہے ؟ کیا اس کی مثال پیش کرنا اور اس سے بہتر نظام لانا ممکن نہیں ہے ؟ کیا طاقت کے موجودہ نظام کو ہر گز بدلا نہیں جاسکتا ؟ کیا اسلام طاقت کے اپنے اسلامی ڈھانچے کے ذریعہ ان طاقتوں کا مقابلہ نہیں کرسکتا ہے ؟ کیا اس میں موجودہ نظم کو بدلنے اور دنیا والوں کے لئے اس سے بہتر نظام پیش کرنے کی صلاحیت نہیں ہے ؟ طاقت کا موجودہ نظام اسلام کو اپنا زبردست رقیب کیوں سمجھ رہا ہے ؟ کیا موجودہ عالمی نظام کو اسلام کی جانب سے کوئی خطرہ لاحق ہے جس سے بچنے کے لئے وہ اسلام کو اپنے راستہ کا پتھر سمجھ کر ہمیشہ کے لئے اکھاڑ پھینک دینا چاہتا ہے ؟ آئندہ سطور میں ہماری کوشش ہوگی کہ مذکورہ سوالوں کے تسلی بخش جواب پیش کرسکیں۔

طاقت کے موجودہ نظام کی تبدیلی کا امکان

جب ہم تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اب تک اس دنیا نے زندگی گذارنے کے مختلف ڈھانچوں کو دیکھا ہے۔ ایک وہ دور تھا جب انسانی زندگی کے لئے شہنشاہیت اور مطلق العنان حکومتی نظام کا انتخاب کیا گیا تھا۔ آج ہم تاریخ کی کتابوں میں روم، ایران اور چین کی شہنشاہیت کی داستانوں اور ان کی فتوحات کے مختلف کارناموں کا مطالعہ کرتے ہیں، وہ اپنے دور میں بلا رقیب حکومتیں سمجھی جاتی تھیں اور ان کی طاقت وقدرت کا عالم یہ تھا کہ ان کی نابودی تصورات کے باہر تھی لیکن ایک مدت کے بعد ایسی زبردست

طاقتوں کی مالک حکومتیں مختلف مشکلات اور بلاؤں میں مبتلا ہوئیں اور نہایت ذلت و بیچارگی کے ساتھ نابودی کی آغوش میں اس طرح سو گئیں کہ آج تاریخ کے اوراق میں صرف ان کے نام ملتے ہیں۔

دوسرا نظام جسے دنیا نے اور ہمارے بزرگوں نے ماضی میں دیکھا وہ دو قطبی نظام تھا جسے وہ ابھی تک بھلا نہیں پائے ہیں۔ اس دور میں روس اور امریکہ کا نام اس طرح لیا جاتا تھا گویا پوری دنیا کا مقدر انہیں کے ہاتھ میں ہے۔ یہ دو قطبی نظام اس وقت اس طرح دنیاوالوں کے اذہان میں بیٹھ چکا تھا کہ ان کی روزمرہ کی بول چال اور ذکر و فکر متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔ اس واقعہ کی زندہ مثال ستاروں کی جنگ (Star war) پر مبنی فیلم کو دیکھا جاسکتا ہے، یہ ایسا خواب و خیال تھا جو آج کے ترقی یافتہ دور میں بھی عملی شکل حاصل نہ کر سکا لیکن گذشتہ دو دہائیوں کے لوگ سیاسی و غیر سیاسی کشمکش اور جنگ و خونریزی کی وجہ سے اس خواب کو واقعی سمجھتے تھے اور انہیں اس میں کوئی شک نہ تھا لیکن دنیا نے دیکھا کہ یہ سرد جنگ بھی اپنی انتہا کو پہنچی اور وہ تمام لوگ جن کا عقیدہ تھا کہ دو قطبی نظام تغییر ناپذیر ہے انہوں نے اپنی آنکھوں سے برلین کی دیوار کے انہدام اور سوویت یونین کی نابودی کو دیکھا۔

دو قطبی نظام کی نابودی اور سرد جنگ کے اختتام کے بعد قطب واحد پر مبنی نظام کو اس فرضیہ کے ساتھ پیش کیا گیا کہ قدرت و طاقت اور فوجی ساز و سامان کے میدان میں بلا تنازع قدرت کا مالک یعنی امریکہ اور عالمی سطح کے دیگر جاگیرداروں اور مدعیان قدرت کے درمیان واضح و روشن فرق ہے۔ اس نظام واحد کا مالک اس خواب و خیال میں محو تھا کہ اس کا رقیب یعنی روس نہیں رہا اور وہ طاقت کے میدان کا تنہا شہسوار ہے، اب وہ بلامقابلہ پوری دنیا پر راج کرے گا۔ امریکی مفکرین و ماہرین نے اپنا مکمل زور قلم صرف کر دیا تاکہ وہ دنیاوالوں کو باور کرادیں کہ اب طاقت کا امریکی ڈھانچہ ہی دنیا پر حکومت کرے گا۔ مشہور امریکی دانشور سیموئیل ہنٹنگٹن (Samuel Huntingtion) اپنے مقالے «تہذیبوں کا ٹکراؤ» (The clash of Civilisations) اور دوسرے مشہور دانشمند فرانسیس فوکویاما (Francis Fukuyama) اپنے «تاریخ کا خاتمہ اور آخری انسان» (The end of the History and the last man) نامی مقالہ میں واضح لفظوں میں موجودہ نظام کو انسانوں کی زندگی گزارنے کے لئے سب سے بہترین نمونہ گردانتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ نظام جو قطب واحد پر استوار ہے اس کی مشکلات بہت کم ہیں اور اس کے بعد ہم ہر گز

اس نظام میں تبدیلی کے شاہد نہ ہوں گے بلکہ یہ نظام روز بہ روز ترقی کی منزلوں کو طے کرتا جائے گا اور اس کی ترقی کو ہم اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کریں گے۔

قطب واحد پر استوار نظام نے سب سے پہلے اپنی طاقت کی نمائش کے لئے کویت پر عراق کے حملہ کو انتخاب کیا۔ اس جنگ میں امریکہ نے دو قطبی نظام کے خاتمہ کے بعد پہلی مرتبہ اپنی قیادت میں عراق کے خلاف ایک عالمی اجماع قائم کیا۔ اسی سلسلہ کی دوسری کڑی ۱۹۹۸ء کی کوزوو کی جنگ تھی جسے اس نے بڑی ہنر نمائی سے پیش کیا تھا۔ عالمی اجماع نے قطب واحد کے مالک امریکہ کی دنیا پر حکمرانی کو دکھانے کے لئے بڑے ہی وسیع پیمانہ پر پروپیگنڈے کئے اور جنگ کے میدانوں میں دنیا والوں کو کامیابی کی شہنائیاں سنائی گئیں، لیکن ۲۰۰۱ء میں قطب واحد کے مالک امریکہ نے عالمی ماحول کو پر امن و امان دکھانے کے بعد دنیا پر مکمل غلبہ پانے کے لئے قدم اٹھانے شروع کر دئے، گیارہ ستمبر کے حادثے کے بعد قطب واحد پر مبنی نظام کی ترقی مکمل غلبہ کی جانب رواں دواں ہوئی، اسی وجہ سے قطب واحد کے بعد اسے آخری غلبہ کا نام دیا گیا۔

موجودہ سیاسی ہتھکنڈوں کی نمائش کے بعد جہاں قطب واحد کے مالک امریکہ نے اقتصادی اور فوجی ٹکنالوجی کی دنیا میں اپنی برتری اور دیگر ملکوں کی عاجزی و ناداری سے بھرپور فائدہ اٹھایا اور اپنے مخصوص انداز میں دنیا کی قیادت کی باگ ڈور حاصل کرنے کے لئے دنیاوالوں کی رضایت کو بھی حاصل کرنے میں خاصا کامیاب رہا اور اگر لفظوں کو بدل کر کہا جائے تو یہ کہنا بہتر ہوگا کہ اس چھوٹی سی دنیا میں رہنے والے لوگ ایک بہترین پولیس کی شکل میں امریکہ کا احترام کرنے لگے پس یہ قطب واحد کا مالک امریکہ جہاں قدرت و طاقت میں یگانہ روزگار ہو چکا تھا وہیں عام محبوبیتوں کا مالک بھی بن چکا تھا، اس کے باوجود اس نظام کی عمر حباب سے زیادہ نہ تھی بلکہ یہ کہا جائے کہ یہ سطحی مقبولیت ۲۰۰۱ء کی افغانستان کی جنگ تک محدود رہی اور اس کے بعد امریکہ کا جو حال ہوا اسے دنیا نے دیکھا کہ وہ اپنے مغربی دوستوں کی حمایت حاصل کرنے میں بھی ناکام ہو گیا۔

قطب واحد پر قائم نظام اب اکیلا ہو چکا تھا اور یورپ والے بھی اسے پسند نہیں کرتے تھے، یہ موضوع اس وقت فاش ہوا جب امریکہ نے عراق پر حملہ کیا اور امریکہ اقوام متحدہ سے حملہ کا جواز حاصل کرنے میں ناکام رہا اس لئے کہ اب یورپ اقوام متحدہ میں اپنی طاقت کا مظاہرہ کرنا چاہتا تھا اور نو ظہور طاقتیں جیسے برازیل، ہندوستان اور چین ماضی کی طرح امریکہ کی پیروی کرنے کو ہر گز تیار نہ تھیں، روس جو ابھی تک

اضمحلال کے دور سے گذر رہا تھا اور اپنی بکھری ہوئی طاقت کو سمیٹنے میں مشغول تھا، اب وہ بھی امریکہ کی من مانی مخصوصا مشرقی یورپ اور قفقاز کے علاقہ میں دیوار بن کر کھڑا ہو گیا اور اسے وہاں اپنے پیر جمانے کی اجازت نہیں دی۔

پس معلوم ہوا کہ مختلف نظام حکومت کی شکست ناپذیری اور عدم تبدیلی کے متعلق جو تصورات پائے جاتے ہیں وہ تمام تر پروپیگنڈے ہیں اور موجودہ نظام کی ہمیشگی ہونے کی دلیلوں کی بھرمار کر دینے کے باوجود حقیقت میں کوئی بھی نظام باقی رہنے والا نہیں ہے بلکہ ایک ایک کرکے ہر نظام کو نابودی کا مزہ چکھنا ہوگا۔

لہٰذا اس وقت ہم دیکھ رہے ہیں کہ اس دنیا میں نہ کوئی شہنشاہیت ہے، نہ کوئی دو قطبی نظام ہے، نہ ہی کوئی قطب واحد پر قائم نظام ہے اور نہ ہی مکمل اور آخری غلبہ ہے بلکہ اس وقت ہم متعدد اقطاب کو دیکھ رہے ہیں جن میں صلاحیتوں اور ذخایر کو فوج داری، ثقافت اور اقتصادیات کے میدان میں سرکاری و غیر سرکاری اداروں میں تقسیم کر دیا گیا ہے، اس کے علاوہ قطب واحد پر قائم نظام میں مدعیان قدرت کے درمیان جو واضح فرق پایا جاتا تھا، وہ ہر گز موجودہ اقطاب قدرت کے درمیان نہیں پایا جاتا ہے اس لئے کہ اس وقت کوئی بھی بڑی طاقت کا مدعی نہیں ہے جو ہر اعتبار سے صاحب کمال اور ہر میدان میں اکیلا شہسوار ہو، البتہ ابھی تک جو نکات ہم نے پیش کئے ہیں وہ بظاہر قابل احساس موارد تھے جو نظام حکومت کے عدم تغیر کے فرضیہ کو باطل کرتے ہیں لیکن موجودہ نظام حکومت گذشتہ نظام حکومت کے مقابلے میں کہیں زیادہ تغیرات کی حامل ہے جسے ہم آئندہ سطور پر تفصیل سے بیان کریں گے۔

حکومتی نظام کے ڈھانچے میں ماہیتی تبدیلی

سماجی روابط کی بڑھتی ہوئی شرح اور عالمی منڈی میں غیر سرکاری طاقتوں کی بہتات نے عالمی نظام کے محور حکومتوں کو چیلنج کر دیا ہے جب کہ دو قطبی نظام، یا قطب واحد پر مشتمل یا غلبہ نہائی کا نظام سب کا سب ایک حکومت اور سرکار پر منحصر تھے، آج کے دور میں حکومتوں کے اثر و رسوخ کو جغرافیائی حدود کے ذریعہ معین نہیں کیا جاسکتا اور آج ایک حکومت کے جغرافیائی حدود اس کے قوام کے اہم ترین رکن کی حیثیت رکھتے ہوئے بھی اپنے سابقہ مفہوم سے دور ہوتا چلا جارہا ہے، آج کے دور میں حکومتیں ہر گز اپنے حدود کو دیواروں، بروج اور قلعوں کے ذریعہ معین و مشخص نہیں کر سکتیں اور ہر گز یہ اطمینان نہیں رکھ سکتیں کہ ان کی قلمرو

میں کوئی بھی طاقتور رقیب اثر و نفوذ نہیں رکھتا اور ہر گز وہ اپنی خواہش کے مطابق اپنی عوام کے ذہن کو موڑ نہیں سکتیں اس لئے کہ موجودہ نظام کو بدل دینے والے نت نئے نظریہ نامحسوس طریقے سے حکومتوں کے قلمرو میں نفوذ کر سکتے ہیں یہاں تک کہ آج کی بڑی طاقتیں اور حکومتیں بھی پوری طرح سے اپنے قلمرو کو محفوظ نہیں رکھ سکتیں۔

پس یہ نظریہ کہ ایک حکومت اپنے عوام کے افکار و عقائد پر مسلط ہو سکتی ہے، نہ صرف عالمی پیمانہ پر بلکہ داخلی پالیسی کے اعتبار سے بھی غیر قابل قبول اور مردود ہے، اس کے علاوہ غیر سرکاری عناصر بصورت بین الاقوامی تنظیمیں، ملٹی نیشنل کمپنیاں اور عالمی قومی و مذہبی انجمنوں نے منابع قدرت کو حکومت کے ہاتھوں سے نکالنے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ آج حکومتوں کی جانب سے غیر سرکاری عناصر پر قبضہ اور ان کے اثر و رسوخ کو محدود کرنے کی جی توڑ کاوشوں کے باوجود بطور اعجاب انگیز عالمی نظام میں ان کے اثر و رسوخ روز بہ روز بڑھتے جارہے ہیں۔انہوں نے بارہا موجودہ صورتحال کو بدلنے اور اس کی اصلاح کی مانگ کی ہے جو نظام حاکم کے نظریات کے خلاف ہے۔

اسی طرح گذشتہ دور میں کسی بھی نظام کی طاقت و شان و شوکت کا اندازہ اس کی فوج اور جنگی ساز و سامان سے ہوتا تھا۔ جس حکومت کے پاس فوج اور جنگی ساز و سامان کی کثرت ہوتی اسے سب سے بڑا مدعی قدرت تسلیم کیا جاتا تھا اور اسے اس میدان میں سب سے اونچا مقام حاصل ہوتا تھا۔ ایسے نظام میں لشکر کشی اور دوسروں کی سرزمینوں کو فتح کرنا ایک حکومت کی شان و شوکت کا بہترین ثبوت ہوا کرتا تھا اسی وجہ سے نوظہور شہنشاہیت اور سپر پاور طاقتوں کے لئے فوجی طاقت و قوت ہر چیز سے زیادہ اہم تھی اور ایسی صورت میں یہ امر طبیعی ہے کہ ایسے مدعی کا زیادہ تر سرمایہ اس طاقت کو سمیٹنے اور اس کی نمائش پیش کرنے میں صرف ہوتا تھا۔ بڑی طاقتوں اور سپر پاور حکومتوں کا سب سے اہم مقصد فوجی طاقت کے ذریعہ اپنی فتوحات کی فہرست کو طولانی کرنا تھا لیکن آہستہ آہستہ فوجی طاقت کے ساتھ ساتھ اقتصادی طاقت بھی ایک حکومت کی قدرت کے اثبات کا اہم حصہ شمار ہونے لگی، یعنی اب ایک بڑی فوج کا مالک ہونا سپر پاور بننے کے لئے کافی نہیں تھا بلکہ سپر پاور طاقتیں فوجی ساز و سامان کے اعتبار سے برتری کے ساتھ ساتھ عالمی پیمانہ پر اقتصادی طاقت کو وسیع پیمانہ پر حاصل کرنے کی کوشش میں مصروف ہو گئیں۔

اکیسویں صدی میں تہذیب، شناخت اور غیر عینی عناصر بھی ایک نظام کی پیدائش میں موثر کردار کے مالک سمجھے جانے لگے بلکہ اس نظام میں مذکورہ عناصر کے رسوخ سے یہ بات سمجھ میں آنے لگی کہ وہ اس نظام میں بنیادی تبدیلی لانا چاہتے ہیں، اس لئے کہ ماضی میں فوجی طاقت کو معلوم کرنے کے ذریعہ قدرت کے قانون کی تبعیت بھی رفتہ رفتہ محقق ہو جایا کرتی تھی لیکن آج کے دور میں طاقت کا مفہوم بالکل بدل چکا ہے اور آج کسی نظام کی پیروی کے لئے صرف فوجی طاقت ہی کافی نہیں ہے لہٰذا اگرچہ ہر نظام اپنے آپ کو تغییر ناپذیر اور ہمیشگی تصور کرتا رہا ہے لیکن تاریخ نے ماضی میں گذرے نظام کی اضمحلالی اور ان کی نابودی کی داستانوں کو سمیٹ رکھا ہے۔ ایک نظام کو دوام اور ہمیشگی بخشنے والے تمام عناصر آج کے دور میں تغیر و تبدل کا شکار ہیں اسی وجہ سے آج کے دور میں سپر طاقتوں کو بھی اپنی حاکمیت اور طاقت کو باقی رکھنا ماضی کی بہ نسبت بہت دشوار اور سخت ہو چکا ہے۔

قدرت و طاقت کا مفہوم طولی اور عرضی دونوں اعتبار سے بدل چکا ہے اس لئے کہ اگر قدرت کا عرضی اعتبار سے مطالعہ کیا جائے تو آج کے دور میں قدرت کا ظہور صرف فوجی طاقت میں منحصر نہیں رہا بلکہ اس میدان کا دوسرا دعویدار یعنی اقتصاد ایک نئی طاقت بن کر ابھرتا ہوا نظر آرہا ہے جو اس کا ایک اہم رکن بن چکا ہے اور اگر طولی اعتبار سے قدرت کے مفہوم کو دیکھا جائے تو قدرت کی سختی اور حدت رنگ بدل کر قدرت نرم میں بدل چکی ہے، اسی طرح عالمی دعویدار مختلف رنگ و بھیس میں ابھر کر سامنے آرہے ہیں اور ایک حکومت اپنے سابقہ معنی میں عالمی پیمانہ پر اپنی قدرت و طاقت کو خطرہ میں دیکھ رہی ہے، پس یہ ماننا ہوگا کہ عالمی نظام میں تبدیلی اور تنوع ایک اجتناب ناپذیر واقعیت ہے جس سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ موجودہ نظام اور سابق نظام میں فرق اتنا ہے کہ ماضی میں ایک نظام کے عناصر بدلا نہیں کرتے تھے فقط ان کی ظاہری شکل میں تھوڑا بہت فرق آتا تھا مثال کے طور پر شہنشاہیت دو قطبی یا قطب واحد میں تبدیل ہو جاتی تھی جس کی وجہ سے ایک نظام کے تمام عناصر قدرت اور حکومت کے محور پر قائم ہوا کرتے تھے لیکن موجودہ دور میں جہاں اس کی وضع و قطع میں تبدیلی آئی ہے وہیں اسے قوام عطا کرنے والے عناصر میں کافی تبدیلی واقع ہوئی ہے، نیز موجودہ نظام کو باقی رکھنے اور اس کی حیات کو دوچنداں کرنے کے لئے اگرچہ بہت تگ و دو کی جارہی ہے لیکن اس کا بھی وہی حشر ہوگا جو سابقہ نظام کا ہوا تھا اس لئے کہ اس کی بنیاد متزلزل اور عناصر ضعیف ہو چکے ہیں۔

اس مقام پر اس اہم نکتہ کو بھی بیان کر دیا جائے کہ نظام بنانے والے جدید عناصر جیسے شناخت و تہذیب، فوجی اور اقتصادی عناصر کے برخلاف انعطاف پذیر ہوتے ہیں اور ان میں نرمی پائی جاتی ہے جس کی وجہ سے ان میں تبدیلی کا امکان زیادہ فراہم ہوتا ہے۔ موجودہ حالات کے پیش نظر شناخت ، تہذیب اور ثقافت کا کردار بڑھتا جارہا ہے۔ یہ غیر عینی عناصر حقیقت میں عینی عناصر کی طرح تغییر کے مقابلے میں ڈٹے نہیں رہتے بلکہ تبدیلی اور جابجائی کا پرجوش استقبال کرتے ہیں۔ بے شک قدیمی عناصر کی سخت گیری غیر قابل انعطاف نظام کے ایجاد کی باعث ہوتی ہے، یعنی ایسے نظام میں کسی قسم کی کوئی نرمی اور انعطاف نہیں پایا جاتا اور ایک سوکھی لکڑی کے مانند ہوتا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ گذشتہ نظام بہت ہی سخت گیر تھا جس میں کسی بھی قسم کے نقد اور اصلاح کا امکان نہیں تھا اور ہر اصلاح و نقد کا شدت سے مقابلہ کیا جاتا تھا۔

جدید نظام کی انعطاف پذیری اور نرمی باعث ہوئی کہ اس میدان میں وہ مدعیان قدرت بھی کود پڑے جو ابھی تک حاشیہ میں رہا کرتے تھے۔ اب وہ زمانہ ختم ہو چکا ہے جب صرف وہی لوگ اس نظام میں دخالت کر سکتے تھے جن کے پاس فوجی اور اقتصادی طاقت ہوتی تھی بلکہ اس دور میں شناختی اور تہذیبی عناصر کے مالکین بھی اس نظام میں حصہ لے سکتے ہیں بلکہ یہ سہولت بھی مہیا ہو چکی ہے کہ مذکورہ غیر عینی عناصر کے مالکوں کے لئے ضروری نہیں ہے کہ وہ ان عناصر کو بطور تمام و کمال اور وافر مقدار میں رکھتے ہوں اس لئے کہ موجودہ منعطف نظام میں عناصر کی کمیت اور ان کی کیفیت کا کوئی معیار نہیں ہے اور ان کی کوئی اہمیت بھی نہیں ہے جس کی وجہ سے جدید نظام عام انسانوں اور ہمیشہ حاشیہ پر رہنے والے مجبور لوگوں کو اس نظام میں وارد ہونے کا بہترین موقع فراہم کرتا ہے۔

اس نظام میں عام لوگوں کا شامل ہونا اور صاحبان ثروت و قدرت کے ہاتھوں سے اس کا خارج ہونا عالمی پیمانہ پر ایک نئے نظام کے وجود میں آنے کا باعث ہوگا، اس لئے کہ جدید نظام میں شناخت اور تہذیب کو زیادہ اختیارات اور قدرت حاصل ہے اور تہذیب و شناخت انسانوں کے آپسی تعلقات سے وجود میں آتے ہیں جو ہر گز صاحبان قدرت و ثروت کے اختیار میں نہیں ہے، اسی وجہ سے جب صاحبان قدرت و ثروت نظام پر اپنی گرفت کو کمزور پاتے ہیں اور جب ان کی قدر و منزلت فنا پذیر دکھائی دینے لگتی ہے تو وہ مختلف قسم کے پروپیگنڈوں کا سہارا لیتے ہیں تاکہ نقد و اشکال کا شدت سے مقابلہ کر سکیں اور عمومی افکار و اذہان کو موجودہ ڈھانچے پر راضی رہنے اور اسے باقی رکھنے کی تلقین کرتے رہیں۔

اس کے باوجود رائے عامہ کا یہ طوفان اور انقلاب ان کی ملمع کاری کو رہنے نہیں دے گا اس لئے کہ موجودہ حالات و شرائط اس امر کے متقاضی ہیں کہ ہر قوم و نسل کی شراکت کے ذریعہ واقعی جمہوریت دنیا میں قائم ہو، ذرائع ابلاغ کی ترقی کے باعث مختلف تہذیبوں میں تعلقات بڑھ گئے ہیں اور عام لوگوں کو یہ نایاب موقع فراہم ہوگیا ہے کہ وہ ایک جامع و کامل نظام کا خود انتخاب کریں۔ پس معلوم ہوا کہ نئے مدعیان قدرت اصلاح چاہتے ہیں اور وہ ہر گز قدیمی مدعیان قدرت کی سخت گیری کو تحمل نہیں کریں گے۔

کیا موجودہ نظام سب سے بہتر اور کامل ہے؟

موجودہ نظام کی پوری کوشش ہے کہ وہ اپنے آپ کو بہترین اور کامل ترین نظام کے عنوان سے پیچنوائے جو سابقہ نظام کے عیوب کو ختم کرکے اور عقل جمعی کی شراکت سے وجود میں آیا ہے لیکن عملی طور پر یہ نظام انسانی معاشرہ کی عقلانیت کی وجہ سے وجود میں نہیں آیا ہے بلکہ اسے صاحبان قدرت وثروت کے درمیان رقابت کا نتیجہ سمجھ سکتے ہیں۔ گذشتہ دور میں انسانی سماجی کی تقسیم بصورت مالک اور رعیت رہی ہے اور زیادہ تعداد ہمیشہ رعیت کی رہی ہے اور ہر گز واقعی معنی میں ان سے حکومت کرنے کے طور طریقے کے بارے میں مشورہ نہیں لیا گیا، سابقہ نظام میں یہ فرضیہ مسلّم مانا جاتا تھا کہ حکومت ایک منسجم نظام کا نام ہے جس کی صرف ایک آواز ہے اور وہ آواز عام انسان کی ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر مذکورہ دعوے کو مان لیا جائے تو کیا بے شمار جنگیں، خونریزیاں، قتل و غارت گری، فقر و فاقہ اور ظلم و ستم عام انسانوں کا مطالبہ تھا یا پھر ان لوگوں کی کرتوتیں تھیں جو قدرت و طاقت کے شیدائی تھے اور خود کو عام انسانوں کا نمائندہ گردانتے ہوئے اپنی آرزوؤں کو دنیا کے تمام انسانوں کی آرزو کے نام پر پیش کرنے کی کوشش کیا کرتے تھے؟ صاحبان قدرت وثروت ایسے حالات میں عالمی سماج کی نیابت میں بات کرتے ہیں جب کہ وہ خود اپنے ہاتھوں سے ان کے منافع کو غارت کرنے میں مشغول ہیں اور ان کی مصلحتوں کی حفاظت کی راہ میں قدم اٹھانے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ وہ لوگ پروپگنڈوں اور رائے عامہ پر قبضہ کرنے کے ذریعہ عام لوگوں کو ایک ایسی خواہش کے تحقق و تعمیل کی ڈگر پر لگادیتے ہیں جس میں دولتمندوں کو بھرپور فائدہ پہنچتا ہے اور عام انسانوں کے حصہ میں بد بختی و بے چارگی آتی ہے پس یہ

مسلّم ہے کہ سابقہ نظام صرف کچھ ہی انسانوں کے لئے سود آور تھا اور عام انسانوں کے لئے صرف ضرر و زیان کا باعث تھا۔

عالمی حکومتی نظام میں اسلام سے بے توجہی کے اسباب

موجودہ عالمی نظام جن حالات و شرائط سے دوچار ہے، اس کے پیش نظر اس کے انتظام کو عقلانی بنانے کے لئے بڑی رکاوٹوں کا سامنا ہے۔اس میں جدید طور طریقے اور افکار کو قبول کرنے کا لازمی انعطاف و جھکاؤ موجود نہیں ہے۔ ایسے حالات میں اسلام جو ایک عالمی دین ہے اور اس کی اساس عقلانیت پر استوار ہے اور ہمیشہ قدرت وثروت پر قبضہ جمانے والوں سے برسرپیکار ہے، اسے ایسے لوگوں کی نفرتوں اور منفی اقدامات کا سامنا ہے ۔ اسلام اپنی بے مثال اقدار کی بناپر موجودہ نظام کے قدیمی اصول و قوانین کو بالکل بدل دے گا اور اگر اس نظام میں اسلام کے وارد ہونے سے صرف اور صرف اس کی ظاہری شکل جیسے شہنشائیت سے دو قطبی میں بدل جاتی تو شاید عالمی پیمانہ پر اسے بہت کم مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑتا لیکن اسلامی اقدار نہ تنہا موجودہ نظام کی ظاہری شکل کو بدل دینا چاہتے ہیں بلکہ اس کی ماہیت اور محتوا سبھی کچھ کو بدلنے کے خواہاں ہیں۔

اسلام ایک مکمل اور مستقل مکتب فکر و نظام حیات ہے جس کی بناپر اس کے جملہ رقیب جیسے لیبرل ازم اور کمیونیزم اس کے مقابلے میں متحد ہو جاتے ہیں۔اسلام کا دعویٰ ہے کہ عالمی نظام نے ابھی تک جو بھی تبدیلیاں اپنے وجود میں مشاہدہ کی ہیں وہ سب ظاہری ہیں اور سابقہ تمام نظام بظاہر ایک دوسرے کے رقیب ہونے کے باوجود سبھی مادیات کے طرفدار، قدرت محور، تشدد پسند، بشری عقلانیت کے مخالف اور دنیا کی اقلیت میں رہنے والے صاحبان قدرت وثروت کے طرفدار رہے ہیں لیکن اسلام نے قدرت کا دامن تھامنے کے بدلے عدالت کا سہارا لیا، حاکم کی پیروی کرنے کے بدلے صرف اور صرف اپنے پروردگار کی اطاعت کی، انسانوں کے درمیان مساوات کی بات کی اور عوام فریبی اور جھوٹے پروپیگنڈے کی جگہ عقل و منطق کو اپنا ذریعہ بنایا۔ اسلام نے سابقہ تمام نظاموں کے برخلاف جو قدرت کو اپنا قیم اور قوام بخش قرار دیتے ہیں، انسانوں کے حق میں خدا کی سب سے عظیم نعمت اور ہر فرد کی رہنما عقل کو ذریعہ بنایا۔ چنانچہ اسلام اپنے اصول اور اقدار کی بناپر عالمی نظام کے ٹھیکیداروں کی جانب سے مورد غضب واقع ہو رہا ہے اور اسے ہر روز نت نئے جان لیوا حملوں کا سامنا رہتا ہے۔

اسلام کا موجودہ مقام و مرتبہ

جیسا کہ اس سے قبل بیان کیا جاچکا کہ عالمی نظام میں اسلام اور اسلامی تفکرات کے رسوخ کی راہ میں عالمی نظام کے ٹھیکیداروں کی لاکھ مخالفتوں اور رکاوٹوں کے باوجود انسانوں کی عقلانی عناصر نے روایتی اور قدیمی نظام کی ماہیت کو بدلتے ہوئے دنیا کے تمام انسانوں کے کانوں تک اسلام کے پیغام کو پہنچانے کا راستہ ہموار کردیا ہے۔

اسلامی مباحث میں قدیم نظام کی ماہیت کی تبدیلی بہت آسان مانی جاتی ہے اس لئے کہ آج انسانوں کی عقلانیت رفتہ رفتہ ترقی کرچکی ہے اور اس راہ میں وہ مسلط عناصر جو خدادادی عقلانیت کی طرفداری کے بدلے، ڈرانے دھمکانے، قلع و قمع کرنے اور لوگوں کو دھوکہ میں رکھنے کو اپنا طور طریقہ بنائے ہوئے تھے، ہرگز ان کو برداشت نہیں کیا جاسکتا، یہ وہی انجام ہے جس کی طرف خداوند عالم نے قرآن کریم میں اشارہ فرمایا ہے اور ''وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ'' یا ''أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ'' جیسی آیتیں بیان کرتی ہیں۔

متقی اور صالح وہی لوگ ہیں جو خدا کی عطا کردہ عظیم نعمت اور باطنی رہبر یعنی عقل کی مدد سے ترقی یافتہ زندگی اور واقعی آزادی تک پہنچنے کے لئے انسانوں کے سامنے زندگی کے راستے کو ہموار کردیتے ہیں، البتہ اس نکتہ کی طرف توجہ کرنا ضروری ہے کہ وہ صاحبان قدرت و شوکت جن کی حیات و منافع گذشتہ نظام کی بقا میں ہے وہ ہرگز جدید نظام کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں گے اور اپنے منافع لئے وہ عوام فریبی، رعب و وحشت اور قتل و غارتگری جیسے حربوں کا سہارا لیں گے اور ایک عظیم جنگ و قتل و غارتگری کو بعید نہیں گردانا جاسکتا۔

عالمی نظام میں ذرائع ابلاغ کی فراوانی اور غیر مادی و تہذیبی عناصر کے اثر و رسوخ نے اس کے لئے بڑی مشکلیں کھڑی کردی ہیں اور اب موجودہ سخت گیر نظام کے بدلے انعطاف پذیر اور اصلاح شدہ نظام کی ضرورت ہے۔ اسلام کو اس میدان سے باہر نکالنے کے لئے موجودہ نظام کی تمام تر کوششوں اور تگ و دو کے باوجود مشرقی اور مغربی تہذیبوں میں اسلام کا بول بالا عالمی نظام میں بنیادی تبدیلیاں اور اسلام کی مورد حمایت عقل گرائی کے غلبہ کی خبر دے رہی ہے۔ خدا کی عطا کردہ عقل کا رفتہ رفتہ کمال یافتہ ہونا

اسلام کے متبادل نظاموں کے کھوٹے پن کو پہچاننے اور حقیقت کو مجاز سے الگ کرنے میں عام انسانوں کی مدد کرے گے۔

اگرچہ ابھی تک اسلام کو اتنا موقع نہیں ملا کہ وہ عالمی پیمانہ پر اپنے نظام کی بنیاد رکھے لیکن یہ بات ذہن نشین رہنی چاہئے کہ موجودہ عالمی نظام پہلے سے زیادہ اس وقت سماجیات سے متاثر ہوا ہے اور ایسے میں اسلام کا روز بہ روز چڑھتا ہوا سورج آخرکار عالمی سیاست میں اسلام کے موثر اقدامات کا باعث ہوگا اور یہ بات پورے یقین کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ اسلام کا عالمی خواب نیک تعبیر سے ہمکنار ہوگا اور اسلام اپنے عالمی نظام کو حاکم بنانے میں کامیاب ہوگا اس لئے کہ روز بہ روز انسانوں کی عقل کی ترقی اب ہر گز موجودہ عالمی نظام کو اس بات کی اجازت نہیں دے گی کہ وہ حقائق کو دگرگوں کر سکیں اور اس پر پردہ ڈال سکیں۔